امتحان

نگہت سیما

امتحان

نگہت سیما

"ادی تم نے بھلا زندگی کو دیکھا ہی کب ہے۔ ایک محل سے نکل کر دوسرے محل میں آگئیں۔ پھولوں میں تلیں، سونے کے پنگوڑے میں جھولیں، تمہارے ساتھ بھلا زندگی نے کیا برا کیا.....؟ یہی نا کہ مراد سائیں نے دوسری شادی کرلی...... پر تمہارا تو کوئی حق نہیں مارا ناں......اولاد تو ضرور چاہیے ہوتی ہے مرد کو۔ سات سال تمہیں بھی تو اس نے پھولوں کی سیج پر بٹھایا، ہاتھوں کا چھالا

بنائے رکھا اور اب بھی تجھے بھولا تو نہیں ہے۔ اب بھی چکر تو لگا تا رہتا ہے دو تین مہینے بعد۔'' وہ کچھ دیر سانس لینے کو رکی۔

''ہمیں دیکھو زندگی نے تو ہمیں ٹھوکروں پر رکھا ہوا ہے ادی! پیدا ہوتے ہی فٹ بال کی طرح اچھالنا شروع کر دیتی ہے، کبھی ہماری طرف آؤ تو تمہیں پتا چلے زندگی کیسے ٹھوکروں پر رکھتی ہے۔'' ماروی کسی دانشمند کی طرح اسے سمجھا رہی تھی۔

''تم کیا جانو ماروی...... زندگی نے ہم سے کتنا بڑا امتحان لیا ہے...... دیکھو ناں ایک مرد کے شادی کر لینے سے کیسے سب نے آنکھیں پھیر لیں، کوئی پوچھتا نہیں، بلاتا نہیں...... تائی حاجراں...... نہ ادی سکینہ...... نہ ادا اسکندر اور نہ ہی اس کی بیوی......''

آمنہ شاہ اسے کسی سہیلی کی طرح اپنا دکھ بتانے لگی۔

وہ اب اکثر سوچنے لگی تھی زندگی کبھی کبھی انسان سے بڑا سخت امتحان لیتی ہے۔ جیسے زندگی نے اس سے لیا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی کیا زندگی ہر ایک سے ایسا ہی سلوک کرتی ہے، جیسا اس نے میرے ساتھ کیا۔ تب وہ اپنے اردگرد موجود ہر چہرے کو کھوجنے لگتی...... اور اس کے اردگرد بسنے والے ہر چہرے پر بظاہر اسے جو سکون، طمانیت اور خوشحالی کے رنگ بکھرے نظر آتے، وہ اسے بتاتے کہ نہیں زندگی ہر ایک کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتی...... کم از کم اس کے اردگرد بسنے والے لوگوں کے ساتھ زندگی نے بہت اچھا سلوک کیا تھا...... شاید صرف وہ ہی ہے تنہا جسے زندگی نے اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا ہے۔

''اولاد کا نہ ہونا کوئی ایسا عیب تو نہیں ادی جس پر تمہیں شرمندگی ہو، یہ تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ نے اگر تمہارے اندر کوئی کمی رکھ دی ہے تو اس کی مرضی...... یہ تو بنانے والے پر ہے ناں، وہ جیسا چاہے ڈھال دے، جیسا چاہے بنا دے۔ چاک پر گھومتا برتن اپنی مرضی سے تو کوئی شکل اختیار نہیں کرتا ناں...... پھر ہمیں کیا پتا پیدا کرنے والے کو کیا آزمائش مقصود ہو جو اس نے تمہارے اندر یہ کمی رکھ دی۔'' آج پھر ماروی اسے سمجھا رہی تھی۔

''آزمائش......؟'' آمنہ شاہ حیرت سے ماروی کو دیکھنے لگی۔

''ہاں تمہارے صبر اور شکر کی آزمائش ادی! کیا پتا تمہارا یہ صبر اور شکر مراد سائیں کو کبھی تم سے دور نہ جانے دے۔'' وہ اسے امید دلاتی۔

''بھلا کبھی کسی نے ساری عمر بے ثمر درختوں کی بھی آبیاری کی ہے ماروی؟'' آمنہ شاہ کا دکھ اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگتا۔

''جن درختوں پر پھل نہیں لگتا ادی وہ چھاؤں تو دیتے ہیں ناں...... ان کی لکڑی تو کام آتی ہے پھر وہ بے ثمر کیسے رہے؟'' ماروی نے بڑی سمجھ کی بات کی تھی۔

''یہ تجھے اتنی بڑی بڑی باتیں کرنا کہاں سے آ گئی ہیں ماروی؟''

''بس زندگی نے سکھایا ہے ادی۔'' وہ اداسی سے بولی۔

''تم نے نہ تو بڑی بڑی کتابیں پڑھیں، نہ اسکول، کالج کی شکل دیکھی اور کوئی باتیں سنے تمہاری تو فلسفیوں جیسی۔'' آمنہ شاہ حیرت سے کہہ رہی تھی۔

''ادی زمانے کی کتاب تو بچپن سے پڑھ رہی ہوں، تب سے...... جب شاید الفاظ بھی بولنا نہیں آتے۔ ہاں، آنکھیں سب کچھ دیکھتی تھیں اور دل پر نقش ہو جاتا تھا۔''

کسی نے ماروی کو آواز دے کر بلا لیا اور آمنہ اپنے کمرے میں اکیلی رہ گئی۔ وہ تھی اور اس کی سوچ......

☆☆☆

کوئی اتنی پرانی بات تو نہیں تھی جب سب اسے رشک سے دیکھتے تھے۔ سائیں مراد تو اسے لیے لیے پھرتا...... بھوجائی موبل تو جل کر رہ جاتی......

''ہمارے ساتھ تو سائیں فیروز نے اتنا وقت کبھی نہیں گزارہ، نہ ایسے چونچلے کیے جیسے تو کرتا ہے مراد......''

''یہ تو ادا فیروز سے پوچھو بھوجائی وہ تمہارے ناز کیوں نہیں اٹھاتا میں تو اپنی بیوی کے ناز اٹھاؤں گا۔'' مراد ہنس کر شرارت سے اسے دیکھتا۔ اور وہ کیسے فخر سے گردن اکڑا کے بھوجائی موبل کو دیکھتی تھی پر اب موبل دو سالہ عمر کو گود میں بھرے جب ادا فیروز کو دیکھتی تو اس کی گردن بھی ایسے ہی فخر سے اکڑی ہوتی۔ مراد نے اسے چاہا بھی تو بہت تھا۔

وہ اس کے بچپن کی منگ تھی اور سگے چاچا کی بٹی...... مراد تو بچپن سے ہی چکور کی طرح اس کے گرد چکراتا تھا۔ اللہ نے اسے بے تحاشا حسن سے نوازا تھا اور پھر وہ واحد لڑکی تھی جو پڑھ رہی تھی۔ تعلیم نے بھی اس کی شخصیت میں نکھار پیدا کر دیا تھا۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، اوڑھنا، پہننا سب مختلف تھا...... حویلی کی دوسری لڑکیوں سے الگ ہی دِکھتی تھی وہ۔ اس کے اللہ نے اسے بھر بھر کے دیا تھا سب کچھ...... پیار، محبت، دولت۔ سارے رِیت رواج ایک طرف رکھ کر بابا سائیں نے اسے شہر پڑھنے کے لیے بھیجا تھا۔

''ادا کیا کرے گا اسے اتنا پڑھا کر...... کام کاج سارا جانتی ہے، چار حرف لکھ کر پڑھ لیتی ہے، بس کافی ہے۔'' بڑے بابا نے منع بھی کیا تھا۔

''مراد جو اتنا پڑھ رہا ہے تو کیا میری بٹی اَن پڑھ رہ جائے...... قدر نہیں کرے گا وہ میری بٹی کی...... وہ مراد جتنا نہ پڑھے پر اتنا تو پڑھ لے کہ مراد کے قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔''

''نہ تو پہلے کون سا ہماری بیٹیاں بہویں شوہروں کے قدم سے قدم ملا کر چلتی ہیں جواب آمنہ نے چلنا ہے؟''

''چلو دو قدم پیچھے سہی بابا پر جب دونوں مل کر بیٹھیں تو ایک دوسرے کی بات سمجھ تو سکیں ناں، ایسا نہ ہو کہ سکندر کی طرح مراد شہر میں دوستیاں بناتا پھرے صرف اس وجہ سے کہ سکینہ اسے نہیں سمجھتی، وہ کوئی بات اس کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتا۔''

بابا سائیں کو لاجواب کرنا آتا تھا اور تایا سائیں لاجواب ہو جاتے تھے اور وہ ادا مہروز اور بھابی کے پاس لاہور پڑھنے آ گئی تھی۔

بابا سائیں کی تین ہی اولادیں تھیں۔ فیروز، مہروز اور پھر آمنہ شاہ...... مہروز نے بابا سائیں کی مرضی سے سیرینا سے شادی کی تھی...... جو اُن کی یونیورسٹی فیلو تھی۔ اور وہ لاہور میں ہی سیٹلڈ تھا۔ مراد بھی بہانے بہانے ان کے گھر آ جاتا۔

''بھابی ہاسٹل کا کھانا کھا کھا کر دل اوب گیا ہے۔''

''پہلے تو ہاسٹل کا کھانا اتنا برا نہیں تھا مراد بھائی ہاں بس اب ہو گیا ہے ناں۔'' اور بھابی سیرینا مسکرا دیتیں۔

اور پھر موقع ملتے ہی وہ اس کے گرد چکرانے لگتا، کتنے خوب صورت دن تھے وہ۔ محبت نے اس کے گرد ہالہ سا بنا رکھا تھا۔

''تم پڑھی لکھی ہو، مراد تمہیں اتنا چاہتا ہے۔'' سیرینا کہتی......

''کیا ادا مہروز آپ کو نہیں چاہتے؟'' وہ فوراً سوال کرتی۔

''چاہتے تو ہیں لیکن بڑا روکھا اور خشک بندہ ہے تمہارا بھرا۔''

سیرینا کا تعلق لاہور سے تھا۔

''پر بھوجائی موبل تو کہتی ہیں کہ......'' وہ جھجک جاتی۔

''بولو ناں کہ عشق لڑایا ہے دونوں نے یہی کہتی ہے ناں موبل۔''

''ہاں۔'' وہ نظریں جھکا لیتی۔

''تمہارا بھائی صرف میری ذہانت سے متاثر ہوا تھا اور یونیورسٹی میں پڑھائی کے دوران ایک بار بھی اس نے کچھ نہیں کہا...... بس جس روز آخری پیپر تھا مجھ

www.paksociety.com

سے آ کر کہا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے، جلد ہی رشتہ بھیجے گا......اور میں ہکا بکا اسے دیکھتی رہ گئی۔“

”اور مراد......“ آمنہ سوچتی......اس کے پاس تو الفاظ کا نہ جانے کتنا بڑا ذخیرہ تھا جو وہ ہر روز اسے دان کرتا تھا۔

”آمنہ کبھی کبھی تو لفظ کم پڑ جاتے ہیں تمہیں یہ بتانے کے لیے کہ تم میرے لیے کیا ہو۔“

وہ ایسا ہی تو تھا اس کی محبت میں دیوانہ اور پھر نہ جدائی کا خوف تھا، نہ محبت کی ناکامی کا ڈر۔ سکینہ کی شادی پر دونوں کا نکاح بھی ہو چکا تھا اور آمنہ شاہ جتنا بھی خوش ہوتی، فخر کرتی کم تھا اور پھر اس کے گریجویشن کرتے ہی مراد نے رخصتی کا شور مچا دیا۔

”مجھے ایم اے تو کرنے دو مراد۔“

”بس اور صبر نہیں ہوتا آمنہ...... بہت انتظار کرلیا۔“ اور پھر گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں اور وہ مراد کی دلہن بن کر اس کے آنگن میں اتر آئی۔ زندگی پہلے بھی کم خوب صورت نہ تھی اب مراد کی سنگت میں اور بھی خوب صورت ہوگئی تھی......ادی سکینہ، تائی حاجراں سب ہی اس سے محبت کرتے تھے......پھر کون سا وہ کسی غیر کے گھر گئی تھی جو اسے کوئی پریشانی ہوتی، وہ پیا کے من کو بھائی ہوئی تھی تو سب ہی اس کی قدر کرتے تھے۔ سات سال، پورے سات سال وہ مراد کی محبتوں کے ہنڈولے میں جھولتی رہی...... اور اسے خبر بھی نہیں ہوئی کہ گھر میں کیا باتیں ہو رہی ہیں......وہ باتیں جو پہلے دبی دبی زبان میں ہوتی تھیں انہی باتوں کے لہجے بلند ہوگئے اور شاید بدل بھی گئے تو وہ چونکی۔

”مراد یہ کیا ہے؟“

”کیا؟“ مراد نے نظریں چرالیں۔

”یہی ادی سکینہ اور تائی حاجراں جو تمہاری دوسری شادی کی باتیں کر رہی ہیں۔“

”ہاں......اماں چاہتی ہیں میں شادی کرلوں اولاد کی خاطر......“

”اور تم کرلو گے مراد دوسری شادی؟“

اس نے بڑے مان سے اسے دیکھا اور پھر اس کا مان ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوگیا تھا۔

”میں تمہارا پہلے کی طرح ہی خیال رکھوں گا آمنہ...... میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں آج بھی...... میں ساری زندگی انتظار کرسکتا تھا لیکن تم جانتی ہو ناں ڈاکٹر نے تو کوئی آس ہی نہیں دلائی...... صاف کہہ دیا زندگی بھر تمہارے ہاں اولاد نہیں ہوسکتی......پھر تم ہی بتاؤ بابا سائیں اور اماں کی بات کیسے ٹالوں؟“

”کیا زندگی اولاد کے بغیر صرف محبت کے سہارے نہیں گزر سکتی مراد؟“ اس نے بڑی آس سے اسے دیکھا۔

”ہم ایدھی سینٹر سے کوئی بچہ لے لیں گے۔“ وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔

”وہ بچہ ہمارا تو نہیں ہوگا ناں آمنہ، اس سے بابا کی نسل تو نہیں چلے گی......اور پھر میں کہہ رہا ہوں آمنہ تمہارا جو مقام ہے وہ بھلا رابیل کا کیسے ہوسکتا ہے۔“

رابیل سومرو تائی حاجراں کی بھتیجی اور مراد کی ماموں زاد تھی۔ تائی تو پہلے دن سے ہی چاہتی تھیں مگر شوہر اور دیور کے آگے کچھ نہ کرسکیں مگر اب انہیں جواز مل گیا تھا۔ وہ اسے تسلیاں اور دلاسے دیتا رہا۔

”دیکھو، میرا پہلا بچہ تمہاری ہی گود میں پلے گا آمنہ۔“ اس نے شاید آمنہ کو خوش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کیا اب آمنہ کبھی خوش ہوسکتی تھی۔ کوئی بھی بہلاوا کوئی بھی لفظ اسے خوشی دے سکتا تھا؟ پھر مراد، رابیل سومرو کو بیاہ کر کراچی لے گیا...... اس گھر میں جو اس نے آمنہ کے لیے خریدا تھا۔

شروع کے دنوں میں تو وہ مہینے میں دو چکر لگاتا......آمنہ کو اپنی محبتوں کا یقین دلاتا...... پھر دو مہینے بعد...... پھر وقفہ بڑھنے لگا اور اب تو چھ ماہ

ہوگئے تھے اسے گھر کا چکر لگائے۔ رابیل جوان پڑھی لکھی اور معمولی شکل صورت کی تھی......اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتی تھی لیکن اب اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی اس نے مراد کے دل سے آمنہ کا نام کھرچ ڈالا تھا۔ وہ جو کہتا تھا تمہارے بنا ایک ایک لمحہ صدی بن جاتا ہے...... وہ چھ ماہ سے اسے بھولا ہوا تھا اور ماروی کو کیا پتا کہ یہ کتنا بڑا امتحان تھا جو زندگی آمنہ شاہ سے لے رہی تھی کہ مراد سائیں، رابیل میں کھو کر اسے بھلا چکا تھا۔

ادی سکینہ اور بھوجائی موتل عجیب نظروں سے اسے دیکھتی تھیں اور اسے ان کی نظریں اپنے اوپر ہنستی محسوس ہوتیں۔ اسے بھابی سیرینا کی یہ بات بہت یاد آتی تھی کہ ”جو بھائے پیا من وہی سہاگن۔“ اور اس نے سارے لیتے، گوٹے، ستاروں اور موتیوں والے کپڑے سنبھال کر بکسوں میں رکھ دیے تھے کہ ایسے کپڑے تو من چاہی سہاگنیں پہنتی ہیں ناں......

”نہ، نہ ادی ایسا نہ سوچا کریں۔“ ماروی اسے ٹوک دیتی۔ ”اللہ سائیں مراد کو سلامت رکھے......“

ماروی کے ساتھ اس کا بڑا دل لگتا تھا...... ماروی پندرہ سولہ سال کی تھی لیکن باتیں ایسی کرتی جیسے ایک دنیا دیکھ رکھی ہو۔ ماروی کو ادا مہروز لایا تھا اس کے پاس۔

”اسے رکھ لو آمنہ...... بڑی اچھی لڑکی ہے، تیری خدمت کرے گی، اسے بس پناہ چاہیے اور گھر کا تحفظ......“

ادا کو وہ کہاں سے ملی تھی......اور اس کا خاندان کیا تھا اس نے کوئی کرید نہیں کی۔ وہ تو مراد کے جانے کا غم مناتی تھی۔ سارا دن ماروی پاس بیٹھی ہوتی تب بھی وہ کھوئی رہتی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کب ماروی نے اس کے چھوٹے چھوٹے کام اپنے ذمے لے لیے۔ اس کے کپڑے استری کرنا...... کمرے کی صفائی کروانا...... چیزیں ترتیب سے رکھنا...... ڈائننگ ہال میں جانے کا موڈ نہ ہو تو ناشتا کھانا سب ٹرے میں سجا کر لے آتی اور اسے تو یہ بھی پتا نہیں چلا کہ کب ادی سکینہ اور تائی حاجراں نے بھی ماروی کو اپنے کاموں کے لیے بلانا شروع کردیا تھا۔ ہولے ہولے وہ ماروی کی باتوں میں دلچسپی لینے لگی۔ اس سے اپنی باتیں اور دل کے بھید کہنے لگی...... اسے لگنے لگا تھا کہ ماروی اس کی سہیلی ہے جو اس سے زیادہ سیانی ہے۔

”ماروی تو روتی کیوں ہے؟“ اس روز اپنے کمرے میں دیوار سے ٹیک لگائے اسے روتے دیکھ کر آمنہ نے پوچھا۔

”بس یونہی ادی۔“

”یونہی تو کوئی نہیں روتا ماروی، اتنی چھوٹی سی عمر میں کیا دکھ پال لیے ہیں تو نے؟“ وہ بڑی ہمدردی سے اس سے پوچھ رہی تھی۔

”دکھ تو ہمیں ورثے میں ملتے ہیں ادی۔ میراث ہوتے ہیں ہماری۔“

”پھر بھی کیا دکھ ہے کچھ تو کہو کیوں روتی ہو؟“

”کہا ناں ادی یونہی روتی ہوں......ابا یاد آتا ہے...... اپنی ادی یاد آتی ہے......اپنا گوٹھ یاد آتا ہے......اپنے سے چھوٹا بھائی شہباز قلندر یاد آتا ہے۔“ اور آمنہ شاہ کو ہنسی آگئی۔

”بھئی کیا بات ہے، تمہارا نام ماروی، باپ کا نام وتایو فقیر، بھائی کا شہباز قلندر، شاہ لطیف کسی کا نام نہیں ہے کیا؟“ وہ مذاقاً کہنے لگی۔

”میرے چاچا کا نام ہے، شاہ لطیف اور یہ سارے نام میری دادی نے رکھے تھے۔ شاید وہ سمجھتی تھی ایسے نام رکھنے سے ابا وتایو فقیر اور چاچا شاہ لطیف جیسے بن جائیں گے۔“ وہ سر جھکائے ناخنوں سے کارپٹ کے ریشوں کو ادھر ادھر کر رہی تھی۔

”تجھے سب یاد آتے ہیں ماروی تو، تو ان سے ملنے کیوں نہیں چلی جاتی...... کہاں ہے تیرا گوٹھ، چل میں تجھے ملانے لے چلتی ہوں۔“

”میں گوٹھ جاسکتی ادی، ان سب سے مل سکتی تو

یہاں کیوں آتی...... انہیں یاد کر کے کیوں روتی؟'' وہ بڑے دکھ سے کہہ رہی تھی۔

'' تو کیا زندگی ماروی سے بھی امتحان لے رہی ہے۔'' اس نے بہ آواز بلند سوچا تھا یا ماروی نے اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔

'' ہمیں تو پیدا ہوتے ہی ایسا امتحانی پرچہ تھما دیا جاتا ہے جسے ہم ساری زندگی حل نہیں کر پاتے۔ بس پرچہ تھامے امتحانی ہال میں ہی بیٹھے رہتے ہیں۔ ہماری تو پوری زندگی ہی امتحان ہوتی ہے ادی۔ آپ کس امتحان کی بات کرتی ہیں۔'' اس نے بڑی گہری بات کی تھی۔

'' تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں...... ماروی تو بھلا کیوں نہیں جا سکتی ان سے ملنے؟''

'' کیا سائیں بہروز نے آپ کو نہیں بتایا ادی؟''

'' نہیں......'' آمنہ شاہ نفی میں سر ہلا دیا۔

'' میں تو ادی......'' وہ بتانے ہی لگی تھی کہ تائی حاجراں نے اسے بلا لیا۔

'' ماروی ذرا آ کر میرے پاؤں داب دے۔'' ماروی معذرت طلب نظروں سے آمنہ شاہ کو دیکھتے ہوئے کارپٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے یہاں رہنا تھا اور وہ یہاں رہ کر تائی حاجراں اور ادی سکینہ کی مخالفت مول نہیں لے سکتی تھی۔ بلاشبہ سائیں بہروز نے اسے آمنہ شاہ کے پاس چھوڑا تھا...... وہ اس کی دوسراہٹ کے لیے اسے اس کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ حالانکہ اپنے بابا سائیں کی حویلی میں وہ اپنی ماں کے پاس بھی چھوڑ سکتے تھے لیکن انہیں آمنہ شاہ کے دکھ کا احساس تھا اس کی تنہائی کا خیال تھا...... اماں نے انہیں بتایا تھا کہ سارا دن بیٹھی دیواروں سے باتیں کرتی ہے اور انہوں نے یہ بات ماروی کو بھی سمجھا دی تھی لیکن ماروی کو زمانے نے جو سکھایا تھا اس نے اسے بتا دیا تھا کہ یہاں شاہوں کی اس حویلی میں صرف آمنہ کی ہو کر رہی تو جلد ہی اس پناہ گاہ سے نکال دی جائے گی پھر وہی آبلہ پائی کا سفر جس کی مسافت کے نشان اب بھی روح اور جسم پر موجود تھے۔ اسے لگتا تھا جیسے پاؤں اب بھی دھوپ کی شدت سے جلتے ہوں اور چھالوں سے لہو بہتا ہو۔ سو اس نے ادی سکینہ کو بھی خوش رکھا ہوا تھا اور تائی حاجراں کو بھی...... اور آمنہ شاہ تو تھی ہی اپنی محبت کے بچھڑ جانے کے غم میں ڈوبی اسے اپنے اردگرد ماروی کی موجودگی کا کم ہی احساس ہوتا تھا۔

اب بھی ماروی چلی گئی تو وہ ماضی میں کھو گئی تھی...... سات سالوں پر محیط ماضی...... جب شادی کے بعد پہلی بار وہ مراد کے ساتھ ناردن ایریا گئی تھی۔ مراد کی بانہوں میں بانہیں ڈالے لالہ زار اور سیف الملوک پر گھومتی رہی تھی۔ وہ ایک ایک بات یاد کرتی...... اور یادوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا......

'' کیا سوچتی ہیں ادی؟'' ماروی ان کے کام انجام دے کر واپس آ جاتی۔

'' سوچتی ہوں ماروی میرے جیسا بھی کوئی بد نصیب ہوگا؟''

'' نہ ادی، ایسا تو نہ کہیں...... اللہ نہ کرے آپ بدنصیب ہوں۔''

'' اور بدنصیبی کیا ہوتی ہے ماروی؟'' آمنہ شاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ '' مراد مجھے بھول ہی گیا ہے۔ کتنے مہینے ہو گئے ہیں۔''

'' کیا پتا کسی کام میں الجھے ہوں؟''

'' ایسے بہلاؤں سے کیا میں بہل جاؤں گی ماروی؟''

'' بہلانا تو پڑتا ہے ناں ادی...... ورنہ زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔'' ماروی کسی ناصح کی طرح اسے سمجھاتی۔

'' زندگی اب کون سی آسان ہے؟''

'' پر اتنی مشکل بھی تو نہیں ہے نا ادی' رب سائیں کبھی آپ کی زندگی مشکل نہ کرے۔''

'' ماروی تو بھی ناں...... تو نہیں سمجھتی میرا دکھ...... تیرے ساتھ ایسا ہوتا ناں تو......''

'' میرے ساتھ جو ہوا ہے ادی اللہ سائیں کسی کے ساتھ ایسا نہ کرے۔'' ماروی ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

'' تیرے ساتھ......؟ تو نے بتایا نہیں کہ تیرے ساتھ کیا ہوا...... تو کیوں نہیں اپنے گوٹھ جا سکتی؟''

'' میرے ساتھ ادی......'' ماروی کی آنکھیں جلنے لگیں تو اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

'' میری ماں جب مری تو میری عمر دس سال تھی دو سال بعد میرے باپ نے مجھے '' پیٹ دے دیا۔ جانتی ہو ناں ادی...... '' پیٹ دینا'' کی رسم کیا ہوتی ہے؟''

'' نہیں۔'' آمنہ شاہ حیرت سے اسے تکنے لگی۔

'' ہاں تمہیں بھی کیا خبر ہوگی ادی، تم شہروں میں رہیں، شہروں میں پلی بڑھیں جو وقت تم نے ادھر گزارا بھی تو اپنے گھر میں حویلی میں بند...... تم کیا جانو ادی ہمارے رسم ورواج، کیسے ہمیں پل پل مارتے ہیں، پتا نہیں یہ رواج کس نے ڈالے تھے، ادی تجھے کچھ خبر ہے؟'' اس نے سر اٹھا کر آمنہ شاہ کو دیکھا اور اپنی طرف اسے دیکھتا پا کر ماروی کو کچھ یاد آیا کہ وہ تو اسے '' پیٹ دینا'' کے متعلق بتانے لگی تھی۔

'' ادی اس رسم کا مطلب ہے بیٹی کے بدلے بیٹی دینا، میرے بابا نے بھی سائیں سارنگ کی بیٹی سے شادی رچالی اور بدلے میں مجھے سائیں سارنگ کو دے دیا...... سارنگ کی چار بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی نہیں تھا اس لیے بابا نے مجھے سارنگ کو ہی دے دیا...... سارنگ عمر میں میرے بابا سے بھی دس سال بڑا تھا۔ اس کی تین بیٹیاں بیاہی تھیں اور ایک کنواری جس کا رشتہ بابا نے لے کر بدلے میں میرا رشتہ سارنگ کو دے دیا تھا...... سارنگ کی نواسیاں بھی شاید عمر میں مجھ سے بڑی تھیں۔ میری عمر بارہ سال تھی ادی اور سارنگ کی ستر کے قریب تو ضرور ہوگی۔''

آمنہ شاہ نے دانتوں میں انگلی داب لی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

'' پھر کیا تیری شادی ہو گئی اس بڈھے سے؟''

ماروی کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہو گئی۔

'' نہ ادی میری شادی نہیں ہوئی...... میں تو......'' لمحے بھر کے لیے وہ چپ کر گئی...... پھر اس نے سر اٹھا کر آمنہ شاہ کی طرف دیکھا جو اب بھی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

'' میں تو نئے نئے کپڑے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ کپڑے اور چوڑیاں جو سائیں سارنگ نے بھجوائی تھیں لیکن وہ جو میری ادی تھی وہ مجھے گلے لگا لگا کر روتی تھی اور بابا کے سامنے ہاتھ جوڑتی تھی اور مجھے سمجھ نہیں آتا تھا کہ ادی اتنا روتی کیوں ہے اور بابا سے کیا کہتی ہے۔''

'' تو جا اپنے گھر۔ بابا نے ایک دن ادی سے کہہ دیا۔ میرے معاملے میں نہ بول۔ ادی روتی ہوئی جانے لگی تو میں ان سے لپٹ گئی اور رو کر کہا۔ ادی نہ جاؤ۔ ادی کی شادی اماں کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی اور وہ دوسرے گوٹھ میں رہتی تھی۔ وہ بابا کی طرف دیکھنے لگی۔ بابا کچھ کہے بنا باہر نکل گیا...... ادی ایک بار پھر مجھ سے لپٹ کر رونے لگی...... اس رات ادی نے مجھے بتایا تھا۔'' دو دن بعد سائیں سارنگ سے تیرا بیاہ ہے اور وہ جو سارنگ کی بیٹی ہے ناں پنل وہ بدلے میں ہماری ماں بن کر اس گھر میں آئے گی۔'' میں آنکھیں پھاڑے ادی کو دیکھتی رہی اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اس رات ہم دونوں بہنیں جاگتی رہیں۔ دوسری کوٹھڑی میں بابا اور شہباز قلندر سوتے تھے۔ صبح ادی نے جب بابا کو

چائے پانی دیا تو وہ ادی سے کہہ رہا تھا۔
''تو تو پاگل ہوگئی ہے۔ میں کوئی انوکھا کام تو نہیں کرنے جارہا؟'' اور پھر بابا روٹی کھا کر کام پر چلا گیا اور ہم دونوں بہنیں چائے اور روٹی سامنے رکھے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں اور روتی رہیں۔
اسی وقت ہمارے گھر میں وہ آگئیں، سائرہ بی بی...... سائرہ بی بی بڑی حویلی میں مہمان بن کر آئی تھیں۔ ہماری تو آنکھیں ہی پھٹ گئیں انہیں دیکھ کر، میں نے چپکے سے ادی کو بتایا۔ ''یہ بڑی حویلی کی مہمان ہیں۔ شہر سے آئی ہیں۔''
''پر ہمارے گھر کیسے آگئیں؟'' ادی کی حیران آنکھوں میں صاف لکھا تھا۔
''مجھے پتا ہوتا تو میں پوچھتی کیوں۔'' میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں لاعلمی ظاہر کی تب سائرہ بی بی نے خود ہی عقدہ کھول دیا۔
''میں نے سنا ہے اس بچی کی شادی ایک ستر سالہ بوڑھے سے ہورہی ہے؟'' وہ میری طرف اشارہ کرکے ادی سے کہہ رہی تھیں۔ ادی بوکھلائی سی کھڑی تھی۔
''بیٹھیں...... بیٹھیں ناں بی بی۔'' اس نے موڑھا اٹھا کر اپنے دوپٹے سے صاف کیا تھا حالانکہ وہ صاف ہی تھا اور سائرہ بی بی کو اس نے بیٹھنے کے لیے کہا...... سائرہ بی بی بیٹھ گئیں...... بیٹھنے کے بعد انہوں نے نظروں ہی نظروں میں پورے گھر کا جائزہ لیا اور اپنا تعارف کروانے کے بعد ہم سب کے متعلق پوچھا۔
ادی اسے اپنے، میرے، بابا اور شہباز کے متعلق بتارہی تھی اور میں اس کے گورے گورے ہاتھوں اور پیروں کو دیکھتی رہی اور اس کے خوب صورت لباس سے اٹھنے والی خوشبو کو گہری سانس کھینچ کر محسوس کرتی رہی۔ میرا دھیان اس کی باتوں کی طرف تھا ہی نہیں۔ وہ بار بار تاسف سے مجھے دیکھتی چچ، چچ کرتی اور پھر ادی سے کچھ کہنے لگتی...... بچی تھی مجھے تو اس کی باتیں سمجھ ہی نہیں آرہی تھیں۔ اس لیے میں اس کے جوتوں کو اس کے کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ چلی گئی تو ادی نے مجھے بتایا۔
''سائرہ بی بی کہہ رہی تھیں تم اس کے ساتھ کراچی چلی جاؤ تو تم اس ظلم سے بچ سکتی ہو جو بابا ستر سالہ بڈھے سے تمہاری شادی کرکے کرنے والا ہے۔''
''کراچی؟ اس کے ساتھ اور تم لوگ......؟'' حیرت سے میری آواز گنگ ہوگئی۔
''ہم......'' ادی نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ کہہ رہی تھی کہ وہاں وہ بڑے لوگوں سے گورنمنٹ کے بندوں سے بات کرے گی اور وہ بابا کو منع کریں گے کہ وہ یہ ظلم نہ کرے۔''
''تو؟'' میں نے ادی کا ہاتھ تھام لیا۔ ''وہ جا کر خود ہی بات کرلے ناں گورنمنٹ کے بندوں سے۔ میں کیوں جاؤں اس کے ساتھ؟''
''وہ کہتی ہے تمہارے جائے بنا بات نہیں بن سکتی ماروی۔''
''تم میرے ساتھ چلو گی ادی؟'' مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ہونے جارہا ہے۔
''نہیں، میں بھلا کیسے......؟'' ادی پریشان ہوگئی تھی۔ ''تمہیں اکیلے ہی جانا ہوگا ماروی۔''
''تو پھر میں نہیں جاؤں گی ادی۔'' میں نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ ادی رونے لگی۔ روتے روتے چپ ہوکر اس نے مجھ سے کہا۔
''سن ماروی، بابا میری بات نہیں سنتا میں تجی سے بات کرتی ہوں وہ بابا کو سمجھائے۔ تجی میرا بہنوئی تھا۔'' ماروی نے آمنہ کو بتایا۔
وہ بات کرتے کرتے چپ ہوگئی تو آمنہ شاہ جو بہت انہماک سے اس کی کہانی سن رہی تھی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
''ہاں بول ناں ماروی...... پھر کیا ہوا تو چپ کیوں ہوگئی؟''
''یونہی ادی...... اور کیا بتاؤں...... میں تو خیر تھی ہی جھلی...... بے عقل...... ادی تو بابا کو ایک بار پھر سمجھا کر بلکہ لڑ کر اپنے گوٹھ چلی گئی...... اور میں دل بہلانے کو اپنی سہیلی سے ملنے چل دی...... میری سہیلی سارنگ کی نواسی تھی۔ اُدھر میں نے سارنگ سائیں کو دیکھا...... وہ چارپائی پر بیٹھا کھجوریں کھا رہا تھا اور مجھے گھور گھور کر دیکھتا جاتا تھا۔ میں ڈر کر کوٹھری میں گھس گئی جہاں میری سہیلی تھی' وہ ہنس رہی تھی۔
''تو میری نانی بن جائے گی، تیرا بیاہ میرے نانا سے ہوگا، مجھے اماں نے بتایا ہے۔'' میں گھبرا کر باہر نکلی اور تقریباً دوڑتی ہوئی اس کے گھر سے نکل آئی۔ میرے پیچھے سارنگ کا اونچا قہقہہ گونجا تھا جس کی آواز میرے کانوں میں دور تک آئی۔ پھر مجھے راستے میں سائرہ بی بی نظر آئیں۔ میں بھاگتے بھاگتے رک گئی۔ اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔
''تیری ادی کیسی ہے؟''
''ادی تو چلی گئی واپس اپنے گھر۔''
''تو چلے گی میرے ساتھ کراچی؟''
''مجھے سارنگ کا دیکھنا یاد آرہا، مجھے موہل کی ہنسی یاد آئی...... تو میری نانی بنے گی۔'' سارنگ کی وہ لال، لال آنکھیں یاد کرکے میرے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔ اس کا قہقہہ مجھے اپنے اندر چبھتا محسوس ہورہا تھا۔ میں نے سر اثبات میں ہلادیا۔ وہ یکدم خوش ہوگئی۔''
''ٹھیک ہے، مغرب کے بعد اُدھر سرکنڈوں کے پیچھے آجانا۔''
''پھر مجھے واپس چھوڑ دوگی ناں ادی؟'' میں نے اس سے پوچھا۔
''ہاں۔''
''کب......؟''
''دو تین دن بعد۔''

غزل

شکست و ریخت کا یہ سلسلہ کہاں تک ہے
الجھتی سانسوں کا یہ سلسلہ کہاں تک ہے
دعائیں مانگی تھیں خوشیوں کی، کیا ملا ہم کو
غم و آلام کا یہ سلسلہ کہاں تک ہے
محبتوں کا یہ کشکول ہوگیا خالی
نہ جانے نفرتوں کا سلسلہ کہاں تک ہے
بتا اے زندگی، اب کس طرح گزاریں تجھے
میری کہانی کا یہ سلسلہ کہاں تک ہے
خواب بُنتے ہی بنتے، جھپک گئی آنکھیں
خواب ٹوٹنے کا سلسلہ کہاں تک ہے

شاعرہ: رضیہ ناز، کراچی

''میرا بابا گورنمنٹ کے افسروں کی بات مان جائے گا ناں...... میری شادی سارنگ نانا سے تو نہیں کرے گا؟''
''ہاں......'' اس نے مجھے یقین دلایا تھا اور میں نے نہ سوچا نہ سمجھا نہ ادی سے ہی پوچھا اور ایک آگ سے دوسری آگ میں کود گئی۔
''کیوں وہ عورت...... میرا مطلب ہے وہ سائرہ بی بی اچھی عورت نہیں تھی کیا؟'' آمنہ شاہ بے تاب ہوئی۔
''پتا نہیں ادی۔'' ماروی نے انگلی کی پوروں سے پلکوں کے کنارے پر اٹکے آنسو کو پونچھا۔ ''اچھی عورت تھی یا بری پر اس نے صرف اپنے فیدے (فائدے) کا سوچا میرا نہیں ادی...... وہ مجھے سارنگ سے بچانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے لے کر گئی تھی۔''
''اس نے تجھے اپنی نوکرانی بنالیا تھا کیا؟'' آمنہ شاہ نے پھر اسی بے چینی سے پوچھا۔
''نہیں۔'' ماروی نے پھر نفی میں سر ہلایا۔
''ادی تم تو اتنی پڑھی لکھی ہو اتنی عقل والی ہو، تمہیں

تو پتا ہوگا کہ اس نے کس فیدے کے لیے مجھے......"

"نہیں......" آمنہ شاہ کچھ سوچ کر کانپ گئی۔

"کیا وہ تم سے غلط کام کروانا چاہتی تھی؟"

"نہیں......" ماروی نے پھر نفی میں سر ہلایا تھا۔

آمنہ شاہ اب حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا یہ بتا وہ تجھے یہاں سے سیدھے کراچی لے گئی تھی یا کہیں اور؟"

"ادی اس شام اذانوں کے بعد جب بابا گھر پر نہیں تھا اور شہباز کہیں دوستوں کے ساتھ تھا، میں چپکے سے دروازہ بھیڑ کر باہر نکل کر سرکنڈوں کے پیچھے آ گئی۔ میں جو امتحان دینے جا رہی تھی مجھے اس کے بارے میں کچھ علم تھا، نہ پتا تھا اس پرچے میں کیا لکھنا ہوگا۔ میں خالی ہاتھ خالی دماغ کے ساتھ امتحان گاہ میں جا کر بیٹھ گئی تھی۔ سائرہ بی بی سرکنڈوں کے پیچھے اپنی گاڑی کے پاس کھڑی میری راہ دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے مجھے ایک بڑی سی چادر اوڑھا کر پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا تھا اور وہ میرے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔ ...ڈرائیور نے گاڑی چلا دی تھی۔ راستے میں کوئی ملا ہی نہیں ادی...... ملتا بھی تو اسے کیا خبر ہوتی کہ گاڑی میں ماروی بیٹھی ہے جو بوڑھے سارنگ کی مکروہ ہنسی سے ڈر کر بھاگ رہی ہے اور جو آج کے بعد پھر کبھی اپنے گوٹھ نہ آ سکے گی۔"

آمنہ سانس روکے اس کی داستان سن رہی تھی۔

"رات کو ہم حیدر آباد میں ٹھہرے تھے۔ وہاں سائرہ بی بی کے کوئی جاننے والے تھے۔"

"میری ملازمہ ہے۔" سائرہ بی بی نے وہاں بتایا تھا۔ اور مجھے چپ رہنے کو کہا تھا پھر کراچی آ کر اس نے مجھے اپنے خوب صورت گھر کے ایک کمرے میں ٹھہرایا۔ اس روز میری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں سارا دن اپنی ادی کو شہباز کو اور بابا کو یاد کر کے روتی رہی...... ادی کو پتا چلا ہوگا تو وہ روتی پیٹتی بین ڈالتی گھر آئی ہوگی۔ وہ ضرور بڑی حویلی بھی گئی ہوگی اس نے بابا کو ضرور بتا دیا ہوگا کہ حویلی والوں کی مہمان بی بی مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی...... اور چاچا لطیف تو غصے سے پاگل ہو گیا ہوگا...... ایک عورت ٹرے میں کھانا رکھ کر مجھے دے گئی تھی۔ پر وہ تو پہلا لقمہ ہی میرے حلق میں پھنس گیا اور میں نے ٹرے پرے کر دی۔"

"تم نے اپنی طرف سے تو صحیح ہی کیا تھا ناں ماروی، آخر تمہیں یہ حق تو تھا کہ تم اس غلط فیصلے کے خلاف احتجاج کرتیں۔" اسے خاموش دیکھ کر آمنہ شاہ نے کہا۔

"پتا نہیں غلط تھا یا صحیح۔ پر وہاں اس اکیلے کمرے میں میرا دم گھٹتا تھا اور دل گھبراتا تھا۔ پتا نہیں میں نے دن سے رات کیسے کی تھی رو رو کر تڑپ تڑپ کر میرے حلق میں کانٹے اُگ آئے تھے۔ کمرے میں اندھیرا پھیل گیا تھا۔ تب وہی ملازمہ آئی کہ مجھے بی بی بلاتی ہیں۔ باہر تو جیسے دن اتر آیا تھا۔ پوری کوٹھی جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔ ملازمہ مجھے ایک بڑے سارے کمرے میں لے گئی جہاں بہت سارے لوگ تھے۔ وہ پورا کمرا لوگوں سے بھرا تھا۔ میں خوفزدہ ہو گئی تو سائرہ بی بی نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ ہے وہ مظلوم لڑکی جو غلط رسم و رواج کی بھینٹ چڑھائی جا رہی ہے۔ ایک ستر سالہ بڈھے کے ساتھ اس کا باپ اس کی شادی کر رہا تھا۔" سائرہ بی بی نے بڑی ساری تقریر کی وہ سب میری تصویریں بنا رہے تھے۔ مجھ سے سوال کر رہے تھے اور میں حیران آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی مجھے ان کی باتیں سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

"اوہ مائی گاڈ......" آمنہ شاہ کو یاد آیا۔ کوئی چار سال پہلے اس نے ٹی وی پر دیکھا تھا۔ سائرہ بی بی حقوقِ نسواں کی علمبردار کسی این جی او کی کرتا دھرتا...... اور بارہ سالہ ماروی پر ہونے والے ظلم کی داستان بیان کرتی...... مختاراں مائی کے واقعے کی دھول ابھی اُڑ ہی رہی تھی کہ یہ قصہ منظرِ عام پر آ گیا...... اور پھر حقوقِ نسواں کے لیے آواز بلند کرنے والوں کے بیانات، تبصرے...... پھر کسی اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر چھپی تھی۔

"ماروی کے قتل کی کوشش، باپ اور چاچا کی طرف سے۔"

"تو کیا پھر تمہیں سائرہ واپس گوٹھ لے گئی تھی؟"

"نہ ادی۔" ماروی کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"وہ تو مجھے پتا نہیں کہاں کہاں لیے پھری لیکن گوٹھ لے کر نہ گئی۔ میں جب بھی کہتی تو وہ کہتی......

"ایسا سوچو بھی مت...... وہ تو اب تیرے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ جو واپس جاؤ گی تو کاری کر دیں گے۔"

"اور ایک دن دو بندے کوٹھی میں گھس آئے۔ انہوں نے ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے۔ میں سائرہ بی بی کے ساتھ لان میں بیٹھی تھی۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بھاگ کر اندر آ گئیں۔ انہوں نے پھر اخبار والوں کو بلایا اور کہا، مجھے قتل کر دیا جائے گا مجھے تحفظ ملنا چاہیے۔"

"وہ یقیناً تمہارے بابا اور چاچا ہوں گے۔"

"نہیں ادی۔" ماروی نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ میرے کوئی نہیں تھے...... انہوں نے چہرہ چھپا رکھا تھا لیکن ان کی آنکھیں، ہاتھ پاؤں...... قد کاٹھ... میں قسم کھا سکتی ہوں کہ نہ وہ بابا تھے نہ چاچا لیکن سائرہ بی بی نے اخبار والوں سے یہی کہا کہ وہ میرے بابا اور چاچا تھے جو مجھے قتل کرنے آئے تھے۔ سائرہ بی بی نے میرے تحفظ کی اپیل کی تھی...... پھر ایک روز مجھے وہ اپنی سہیلی کے گھر چھوڑ کر خود اسلام آباد کسی کام سے چلی گئیں...... اس کی سہیلی نے مجھ سے پوچھا کہ کیا سچ مچ میرا باپ میری شادی کسی بوڑھے سے کر رہا تھا...... اگر یہ جھوٹ ہے تو مجھے بتا دو ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ابھی اخبار والوں کو اور ٹی وی والوں کو بلا کر حقیقت بتا دیتی ہوں کہ سائرہ تمہیں اغوا کر کے لائی تھی لیکن جب میں نے ساری بات بتائی کہ میں اپنی مرضی سے آئی ہوں تو وہ بہت مایوس ہوئی۔ ادی اس نے مجھ سے کہا کہ سائرہ نے بہت پیسہ بنایا ہے۔ تمہیں کیش کروایا ہے اس نے اور ابھی اور پیسہ بنائے گی یہ جو ہماری قوم ہے ناں ماروی یہ ذرا سی جذباتی بلیک میلنگ پر اپنے خزانوں کے منہ کھول دیتی ہے۔ مجھے اس کی باتیں سمجھ نہیں آئی تھیں۔ لیکن مجھے لگا تھا کہ جیسے وہ سائرہ بی بی سے جلتی تھی۔"

لیکن آمنہ شاہ ساری بات سمجھ گئی تھی۔ اور تاسف سے ماروی کو دیکھ رہی تھی اس کے ساتھ تو وہی ہوا تھا آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔

"پھر تم ادا مہروز کے پاس کیسے پہنچیں؟" آمنہ شاہ کا تجسس بڑھ گیا تھا۔

"ادی۔" اس کی آنکھیں... برسنے لگیں۔

"میں ایک امتحان گاہ سے نکل کر دوسری امتحان گاہ میں آ بیٹھی تھی۔ سائرہ بی بی کی سہیلی تو اچھی تھی...... میرے حالات پر دکھی ہوئی تھی لیکن جو اس کا خاوند تھا ناں وہ ٹھیک نہیں تھا۔ بڑی غلیظ نظریں تھیں تو میں بڑی مشکل سے اس کے خاوند سے خود کو چھڑا کر بھاگ آئی۔ گیٹ تک تو اس نے میرا پیچھا کیا۔ چھوٹا گیٹ کھلا ہوا تھا باہر کوڑے والا کھڑا تھا۔ چوکیدار اندر کوڑا لینے گیا تھا۔ میں باہر نکل کر ایک سمت تیز تیز چلنے لگی اور چلتے چلتے مہروز سائیں کے گیٹ پر آ کر گر گئی۔"

اس نے باقی کی داستان چند جملوں میں سمیٹ دی۔ تائی حاجراں اسے آواز دے رہی تھیں۔ وہ پلو سے چہرہ پونچھتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"تو، تو نے ادا مہروز سے کیوں نہیں کہا کہ وہ تجھے تیرے گوٹھ چھوڑ آئے۔"

"سائیں نے کہا تھا یہ مشکل ہے پھر بھی وہ میری ادی سے ملے تھے۔ ادی نے کہا وہ کبھی اِدھر آنے کا نام

نہ لے۔ ورنہ چاچا اور بابا اس کے ٹوٹے کردیں گے یا پھر کسی غریب کے ساتھ کاری کردیں گے وہ ناحق مارا جائے گا۔'' وہ آمنہ کو بات بتا کر تیزی سے باہر نکل گئی کہ تائی حاجراں اسے پھر پکار رہی تھی۔

آمنہ شاہ سوچتی رہ گئی کہ زندگی کبھی کبھی انسان سے کیسا امتحان لیتی ہے جیسے زندگی نے اس سے لیا اور زندگی نے ماروی سے لیا اور ماروی کے لیے اس کا امتحان بہت بڑا اور میرے لیے میرا۔ ماروی بے چاری تو مفت میں ماری گئی...... باپ، بھائی، بہن بھی چھوٹے اور حاصل حصول کچھ نہ ہوا اور رکھانے والوں نے اس کے طفیل بہت کچھ کمالیا۔ یہ کیسی منافق دنیا ہے۔ کئی دنوں تک آمنہ شاہ کو ماروی کے غم نے افسردہ رکھا۔ وہ تاسف سے ماروی کو دیکھتی رہی...... اور اپنا غم بھولے رہی...... لیکن پھر ہولے ہولے اسے لگا کہ ماروی تو ایک ہی بار گزر گئی سارے دکھوں پر سے مجھے تو ہر لحہ کانٹوں کی مسافت طے کرنی ہے۔ مراد کو رابیل کے سنگ دیکھنا آسان تو نہیں، ہر قدم...... امتحان...... ہر لحہ مشکل......

''زندگی تو ہر ایک سے ہی امتحان لیتی ہے ادی کوئی اس امتحان کو پاس کرلیتا ہے اور کوئی فیل ہوجاتا ہے۔''

''اور میں...... کیا میں اس امتحان میں پاس ہوگئی ہوں ماروی؟'' اور ماروی چپ کر جاتی اس کے پاس آمنہ کے سوال کا جواب تھا ہی نہیں یا پھر وہ دینا ہی نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

بہت سارے دن گزر گئے۔ آمنہ شاہ یونہی بے چین روح کی طرح گھر کے دالانوں اور غلام گردشوں میں پھرتی رہی...... ادا مراد کو کراچی اور رابیل کا ساتھ ایسا بھایا کہ وہ مڑ کر حویلی آیا ہی نہیں۔

''ماروی کسی روز میرا دل غم سے پھٹ جائے گا۔'' ایک روز آمنہ شاہ ماروی کا ہاتھ تھام کر رو پڑی۔

''تم میرے لیے دعا کیا کرو، تم تو معصوم ہو، اللہ تمہاری دعا ضرور سنے گا۔''

''کیا دعا کروں ادی؟''

''تو دعا کر ماروی، اللہ مجھے اس دنیا سے اٹھالے۔''

''نہ ادی نہ ایسی باتیں نہیں کرتے، اللہ سائیں ناراض ہوگا۔ اللہ سے صبر اور حوصلہ مانگو ادی، یہ امتحان تو حوصلے کے طفیل ہی پاس ہوتا ہے۔ موت مانگنا تو بددعا ہے ادی۔ تم نے دیکھا ہے اُدھر ٹیلے پیچھے پچھلے سال سے گھر بار چھوڑ کر بیٹھے لوگ...... بے چارے سیلاب کے ہاتھوں ستائے ہوئے...... ہر روز اُدھر کیمپ میں کوئی نہ کوئی مرتا ہے یا کوئی بیمار پڑجاتا ہے، کبھی زندگی کو وہاں جا کر روتا کرلاتا دیکھو...... کس امتحان میں پڑے ہیں وہ لوگ......''

''پڑے ہوں گے ماروی۔'' آمنہ شاہ کا دل بہت دکھی تھا۔ ''پر مجھے تو اپنا دکھ سب سے بڑا لگتا ہے۔''

''ادی تم مراد سائیں کو خود ہی فون کیوں نہیں کرلیتیں۔''

''میں......؟'' اس نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں تم ادی اور کون...... مراد سائیں بھی تو کہتے ہوں گے ناں کہ آپ نے انہیں یاد ہی نہیں کیا...... آپ کو ان کی ضرورت ہی نہیں۔''

''ماروی وہ جانتا ہے کہ میں اس کے بغیر کیسے پل پل مری ہوں گی۔''

''ضرور پتا ہوگا ادی پر کبھی کبھی احساس جگانے کے لیے کنڈی تو کھٹکھٹانی پڑتی ہے ناں......'' اس نے بڑے گر کی بات کی تھی اور اس نے کنڈی کھٹکھٹا دی تھی اور مراد بے چین ہوگیا۔

''میں تمہیں بھولا نہیں ہوں آمنہ، تم میری پہلی محبت ہو...... میں تمہیں کبھی فراموش نہیں کرسکتا بس مجبوری تھی...... رابی بیمار تھی ناں...... کئی مہینے سے

...دہ زبیدہ پر ہے، میں اکیلا اسے چھوڑ کر نہیں آسکتا ...پر اب جلدی آؤں گا۔'' آمنہ شاہ کا دل مراد سے ...کر کے خوش تو نہ ہوا الٹا اس پر اور بوجھ آن گرا۔

...مرد کے پاس تو ہزاروں بہانے ہوتے ہیں، ...ی۔ وہ یونہی لفظوں سے بہلائے رکھتا ہے مجھے ...یقین کہ وہ آئے گا۔ وہ وہاں رابیل کے ساتھ ...ت خوش ہے ماروی۔''

لیکن اس کی توقع کے برعکس وہ آگیا...... اور ...لی ہاتھ نہیں آیا...... اس کی گود میں ایک ماہ کا بیٹا تھا جو اس نے آتے ہی آمنہ کی گود میں ڈال دیا۔

''یہ تمہارا ہے آمنہ...... میں نے رابیل سے کہہ دیا تھا...... پہلا بچہ آمنہ کا ہوگا۔'' اس نے گود میں پڑے بچے کو دیکھا جو انگلیاں منہ میں ڈالے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہا تھا۔ ماتا کے سوتے اندر کہیں پھوٹ پڑے تھے اور آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ اس نے بچے کو بے اختیار بانہوں میں بھینچتے ہوئے اس کی پیشانی چوم کر مراد کے ساتھ کھڑی رابیل کی طرف دیکھا...... معمولی شکل کی رابیل کے چہرے پر ماتا کا نور تھا اور ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ...... اپنی طرف اسے دیکھتے پاکر وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''ہاں...... ادی...... اب یہ آپ کا ہی ہے۔'' اس مسکراہٹ کے پیچھے چھپے کرب کو پتا نہیں کیسے آمنہ شاہ نے محسوس کرلیا۔ کیسے اس نے رابیل کی ماتا کی تڑپ جان لی۔ اسے لگا جیسے اس مسکراہٹ کے پیچھے زخمی ماتا تڑپ رہی ہے اور زندگی بھی کبھی کبھی آدمی سے کیسا امتحان لیتی ہے۔ ایسے ہی ایک امتحان کا اس وقت رابیل کو سامنا تھا۔ بچے کو گود میں لیے وہ اٹھی اور بچے کو رابیل کے حوالے کرتے ہوئے مراد کی طرف دیکھا۔

''میں ایک ماں سے اس کا بچہ نہیں چھین سکتی۔''

''لیکن ادی میں اپنی خوشی سے آپ کو......'' رابیل نے کہنا چاہا۔

''کوئی ماں اپنی خوشی سے اپنی اولاد اپنی سوکن

کے حوالے نہیں کرتی رابیل...... بچہ تمہاری گود میں پلے یا میری...... ہے تو مراد کا بیٹا ناں...... جو یہیں ہم سب کے پاس رہے گا۔'' وہ رابیل کی بانہوں میں سکون سے پڑے بچے کو ایک بار پھر چوم کر بڑے وقار سے واپس مڑ آئی...... اور واپس مڑتے ہوئے اس نے دیکھا مراد شاہ کی آنکھوں میں چمک تھی...... وہی چمک جو کبھی اسے دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آجاتی تھی۔

رابیل کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور آمنہ سوچ رہی تھی کہ اس نے رابیل کو ایک مشکل اور مسلسل امتحان سے بچالیا۔

''ادی! زندگی نے تم سے جو امتحان لیا تم اس میں کامیاب ہوگئی ہو۔'' اسی دوپہر اس کے پاؤں دباتے ہوئے ماروی اس سے کہہ رہی تھی۔ اور وہ چپ چاپ ماروی کو دیکھتی رہی۔ پتا نہیں وہ کامیاب ہوئی تھی یا ناکام لیکن وہ رابیل کو امتحان میں ڈال دینے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔

☆☆☆

اور کئی سال گزرنے کے بعد آج جب مراد تین بچوں کا باپ ہے اور پوری ایمانداری سے پندرہ دن اس کے پاس حویلی میں اور پندرہ دن کراچی رابیل کے ساتھ گزارتا ہے کیونکہ باوجود بہت کوشش کے وہ اپنا دل اتنا بڑا نہیں کرسکی تھی کہ رابیل کے ساتھ ایک جگہ رہ پاتی۔ آج جب وہ سیرینا بھابی کے ساتھ مل کر ایک تحریک چلا رہی تھی لوگوں میں شعور اجاگر کرنے کی تحریک، غلط اور قبیح رسم و رواج کے خلاف صحیح اسلامی شعور کی آگاہی...... بظاہر وہ بڑی مطمئن اور خوش تھی لیکن آج بھی آمنہ شاہ جب بستر پر لیٹتی تو یہی سوچتی۔ زندگی کبھی کبھی آدمی سے بہت بڑا امتحان لیتی ہے...... جیسے اس سے لیا...... رابیل سے لیا اور جیسے ماروی سے لیا......

⌘